(۲۰)

ہدایتُ القرآن

مولانا محمد تقی امینی

# شرعی حکم پر عمل کرنے میں زندگی کی صلاحیت

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا تا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

اور جب تم ایک شخص کو قتل کر کے ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے حالانکہ اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا جس کو تم چھپاتے تھے پھر ہم نے کہا مقتول پر اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اسی طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرے گا۔ اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو[1]

○

[1] دوسری بات مرنے کے بعد روح کے باقی رہنے کو دکھاتا ہے۔ بستی کے ایک آدمی کا قتل ہو گیا تھا جس کے قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا اور ہر ایک دوسرے کو قاتل ٹھہرا رہا تھا۔ اللہ کی تدبیر نے یہ راستہ بتایا کہ ذبح کی ہوئی گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مارو اس سے مقتول زندہ ہو کر قاتل کو بتا دے گا۔ چنانچہ یہی کیا گیا اور مقتول نے اپنے قاتل کو بتا دیا اور پھر مر گیا۔ اس واقعہ سے مرنے کے بعد دوسری زندگی کا ثبوت فراہم ہوا جس طرح یہاں روح جسم میں دوبارہ واپس ہوئی اسی طرح ہر ایک کی روح اس کے جسم میں واپس ہو کر دوبارہ زندگی ملیگی۔

اس حکم پر عمل کرنے سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ لوگ جس حکم کو بے معنی اور بے مصلحت سمجھ رہے تھے اس میں کس قدر معنویت اور مصلحت تھی کہ اسی کے ذریعہ مردہ کو زندہ کیا گیا۔

اسی طرح اللہ کے تمام حکموں میں بڑی معنویت، مصلحت اور مردہ قوموں میں زندگی کی روح پھونکنے کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن لوگوں کی پہونچ ان تک نہیں ہو پاتی ہے۔ اس بنا پر کٹ حجتیاں کرتے اور طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

# بے حسی و گراوٹ کی انتہا

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ تا عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

پھر تمہارے دل[1] اس کے بعد سخت ہو گئے[2] جیسے کہ وہ پتھر کی چٹانیں ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت[3] اور بعض پتھر کی چٹانیں تو ایسی ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو پھٹ جاتی ہیں اور ان سے پانی بہہ نکلتا ہے اور بعض ایسی ہیں جو اللہ کے ڈر سے لرز کر گر پڑتی ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

○

لہ قرآن نے مختلف جگہوں میں قلب (دل) کا جس انداز سے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کا تعلق سمجھ بوجھ سے بھی ہے اچھائی برائی سے بھی ہے اور اثر کرنے و اثر قبول کرنے سے بھی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نیکی و بھلائی کے کام کرتے رہنے سے یہ قوت بحال رہتی اور بڑھتی رہتی ہے اور اس کے خلاف کرتے رہنے سے یہ قوت گھٹتی رہتی اور بالآخر زنگ آلود ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔

سٹہ یہ قومی و جماعتی زندگی کی اس حالت کا ذکر ہے جبکہ بےحسی و گراوٹ انتہا کو پہونچ جاتی ہے اور "دل" وعظ و نصیحت اور خبردار کرنے والے واقعات سے اثر لینا چھوڑ دیتا ہے۔ اس وقت دل کی قوت ختم ہو جاتی اور وہ مر جاتا ہے۔

سٹہ دل کی سختی و بےحسی میں پتھر کی مثال دی جاتی ہے لیکن ایسی حالت میں دل پتھر سے بھی زیادہ سخت اور بے حس ہو جاتے ہیں اس طرح کہ پتھر، پتھر ہونے کے باوجود اندر و باہر کا اثر قبول کر کے نفع پہنچاتے ہیں۔ مثلاً بعض پتھر کی چٹانوں سے چشمے جاری ہو جاتے اور نہریں بہہ نکلتی ہیں جن سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور بعض پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جاتی ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے۔ ان سے بھی لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور بعض پتھر کی چٹانیں ایسی ہیں جن پر کبھی اللہ کا خوف طاری ہو جاتا اور اپنی جگہ سے لڑھک جاتی ہیں۔ پہلی دو مثالیں اندرونی اثر قبول کر کے لوگوں کو نفع پہنچانے کی تھیں۔ اور یہ تیسری باہر کا اثر قبول کر کے خود کو نفع پہنچانے کی ہے۔

آیت میں قومی وجماعتی زندگی کی جس حالت کا ذکر ہے اس میں دل نہ اندر کا اثر قبول کرتا ہے اور نہ باہر کا اثر قبول کرتا ہے۔ نہ لوگوں کو نفع پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ خود کو نفع پہنچاتا ہے۔ پتھر سخت ہونے کے باوجود نفع پہنچاتا ہے۔ اس لئے باقی رہتا ہے اور دل سخت ہونے کے بعد نقصان پہنچاتا ہے اس لئے اس کے باقی رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ دنیا میں ہر چیز کے باقی رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفع پہنچاتی ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ مٹا دی جاتی ہے۔ یہی حال قوموں اور جماعتوں کا ہے۔ یہاں وہی باقی رکھی جاتی اور عزت واقتدار کی حقدار ہوتی ہیں جو نفع پہنچاتی ہیں اور جو ایسی نہیں ہیں مٹا دی جاتی ہیں۔

جدید دنیا نے ابھی دل کی قوت وصلاحیت کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی ہے یا اس کی پہنچ ابھی تک نہیں ہوسکی ہے جس کی بنا پر اس کے یہاں دل کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتی ہیں لیکن قرآن وسنّت میں دل سے متعلق نہایت مضبوط باتیں پائی جاتی ہیں جن کا زندگی کے حالات وتجربات میں ثبوت موجود ہے۔[ع]

## علماء اور عوام دونوں کی حالتِ زار

اَفَتَطْمَعُوْنَ تا مَالَا تَعْلَمُوْنَ

کیا تم (مسلمان) یہ امید رکھتے ہو کہ تمہارے کہنے سے وہ ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ ان میں ایک گروہ (علماء) ایسا رہا جو اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر سمجھنے کے بعد دیدہ ودانستہ اس کو بدل دیتے ہیں[1] اور جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے سرغنہ دوستوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں کہ وہ تمہارے رب کے پاس تمہیں سے لے کر دلیل پیش کریں کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے ہو کیا ان کو نہیں معلوم کہ اللہ جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں[2] اور ان میں ان پڑھ عوام ہیں جن کے پاس اللہ کی کتاب کا علم نہیں ہے صرف ان کی بے حقیقت

---

ع ملاحظہ ہوں راقم کی کتابیں تہذیب کی تشکیلِ جدید۔ حدیث کا درایتی معیار اور حکمت القرآن وغیرہ

آرزوئیں اور خواہشیں ہیں جن کی حیثیت اٹکل پچو کی باتوں سے زیادہ نہیں ہے۔
افسوس ہے ان لوگوں (علماء) پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ
یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ فائدہ حاصل کریں۔ پھر افسوس ہے
ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے پر اور افسوس ہے ان کی اس کمائی پر[۳]۔

O

[۱] جس طرح گاڑی چلانے اور اس کو کھائی وخندق سے بچانے کے لئے تجربہ کار ڈرائیور کی ضرورت ہے اسی طرح زندگی کی گاڑی چلانے اور اس کو کھائی وخندق سے بچانے کے لئے علماء وقائدین کی ضرورت ہے اور جس طرح ڈرائیور کے بغیر "اسٹیم" کی طاقت نہ منزل پر پہنچا سکتی ہے اور نہ لائن کی درستگی وہمواری کچھ مفید ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح علماء وقائدین کے بغیر "جوش وجذبہ" سے نہ کچھ کام چلتا ہے اور نہ حالات کی سازگاری وفضاء کی ہمواری آگے بڑھا سکتی ہے۔

پھر علماء وقائدین کی دیانت وبددیانتی اور ان کی اچھی بری زندگی کا قوم وجماعت پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ قوم وجماعت ان کی پیروی کرتی، ان کی نقل کرتی اور ان کے نقش قدم پر چلتی ہے اسی بناء پر آیت میں یہودیوں کے علماء کی بددیانتی کا ذکر ہے کہ وہ ان کی زندگی میں یہاں تک سرایت کر چکی ہے کہ اللہ کے کلام میں بھی ردوبدل کرتے رہتے ہیں کہیں اصل کی جگہ دوسری بات پیش کر دی کہیں اصل مطلب بدل دیا کہیں کچھ گھٹا دیا اور کہیں کچھ بڑھا دیا۔ غرض دنیا کمانے اور دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے جس طرح چاہتے جان بوجھ کر اس کو ڈھال لیتے تھے۔

اللہ کی کتاب اور اس کے احکام میں ردّوبدل یہودیوں کے علماء کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ پستی وزوال کے زمانے میں ہر قوم کے علماء وپیشوا بھی اپنی ساکھ جمانے، اپنا اقتدار برقرار رکھنے اور دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے یہی سب کچھ کرتے آئے ہیں لیکن اس ردّوبدل سے اسی وقت کام چلا ہے جب تک کوئی زندہ قوم وجماعت نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ میدان میں نہیں آئی۔ اس کے میدان میں آنے کے بعد بہت سی حقیقتیں ابھر کر سامنے آتی

رہیں اور یہ "فراڈ" جو اللہ کے ساتھ کیا جا رہا ذلت و رسوائی کا باعث بنتا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کے علماء ایسے دین فروش ہوں کہ اللہ کی سچی بات بھی نہ پیش کریں ان سے کیا توقع ہے کہ قوم کی رہنمائی کر کے اس کو منزل پر پہنچا سکیں گے۔

۷ھ تورات میں دین کی بہت سی باتیں ایسی موجود تھیں جو مسلمانوں کے موافق تھیں۔ ان میں آخری کتاب قرآن اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی تھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ گفتگو کے درمیان کوئی ایسی موافق بات کسی کی زبان سے نکل جاتی اور اس کی اطلاع دوسروں کو پہنچتی تو آپس میں ایک دوسرے کو سمجھاتے کہ تم کیسے ناسمجھ لوگ ہو کہ ان کے موافق باتیں بتا کر اپنا کیس کمزور کر رہے ہو اور اپنی ہی کتاب سے ان کو سند و قوت پہنچا کر ان کے لئے دلیل مہیا کر رہے ہو جس سے وہ اس دنیا میں بھی اور اللہ کے روبرو کام لیں گے۔ اللہ کو ان کی یہ ریشہ دوانیاں سب معلوم ہیں خواہ اسے ظاہر کریں یا چھپائیں لیکن ان کی حرکتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اللہ کے علم کی ان کو خبر نہیں ہے۔

۸ھ علماء کا حال یہ ہے اور ان کے عوام کی زندگی کا سرمایہ صرف خوش فہمی کی آرزوئیں اور نادانی کا جوش و خروش ہے۔ ایسی حالت میں پستی سے ترقی کی طرف اور بدحالی سے اصلاح حال کی طرف تبدیلی کی توقع بے سود ہوتی ہے۔ ان کی اس حالت پر سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں رہ جاتا ہے۔

## اللہ کے قانون میں یکسانیت

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ تا هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ

اور کہتے ہیں کہ (ہم نجات یافتہ ہیں) دوزخ کی آگ ہمیں کبھی نہ چھوئے گی اور اگر آگ میں ڈالے بھی گئے تو چند دن کے لئے ۹ھ آپ ان سے کہئے کہ کیا تم نے اللہ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے (پٹہ لکھا رکھا ہے) کہ وہ اس کے خلاف نہ کریگا یا تم اللہ کی طرف ایسی بات نسبت کرتے ہو جس کو تم جانتے نہیں ہو۔ ہاں جنہوں نے گناہ کئے اور گناہوں نے ان کو پوری طرح قابو میں لے لیا تو یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہی لوگ

جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ؎۲

؎۱ علماء و عوام کی اس حالت کے باوجود یہودی قوم اپنے کو اللہ کا پیارا و لاڈلا سمجھتی اور دوزخ میں جانے والی قوموں کی فہرست سے علیحدہ گردانتی تھی (کچھ دن کیلئے دوزخ میں جانے کا شمار نہ تھا) البتہ جنت میں والی قوموں میں یہودی سرفہرست تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے جنت و دوزخ میں جانے کی بنیاد ایمان و عمل صالح کی بجائے ذات برادری اور مذہبی گروہ بندی پر رکھ چھوڑی تھی

؎۲ آیت میں اس حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ کے قانون میں ہمیشہ یکسانیت رہی ہے۔ کسی قوم کی نادانیوں اور خوش فہمیوں سے کبھی اس میں تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ اب ہوگی۔ اس قانون میں جنت و دوزخ میں جانے کی بنیاد ایمان و عمل صالح پر رکھی گئی ہے۔ ذات برادری اور مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ایمان و عمل صالح کے بجائے ان چیزوں کو دخل بنانے میں بڑا الزام (معاذ اللہ) اللہ پر یہ آتا ہے کہ اس نے ایک ایسی بات کو بنیاد قرار دیا جو انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ کون کس ذات برادری اور گروہ میں پیدا ہو گیا انسان کے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ ایمان و عمل صالح کا تعلق انسان کے اختیار و ارادہ سے ہے اور اس میں سب کی حیثیت یکساں ہے۔ اس بنا پر اللہ نے ہر دور میں اور ہر قوم میں اسی کو جنت و دوزخ میں جانے کی بنیاد قرار دیا اور اسی کو شرافت و فضیلت کا پیمانہ مقرر کیا۔ ایمان و عمل صالح کی تفصیل یہاں نہیں ذکر کی گئی اور نہ اس کا یہ محل ہے۔ جو چیز جس جگہ ذکر کرنے کی ہو اس کو ہمیشہ اسی جگہ تلاش کرنا چاہیئے پھر کوئی نتیجہ نکالنا چاہیئے۔ صرف ایک کو دیکھ کر اور اس سے متعلق دوسری چیزوں کو چھوڑ کر نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہودیوں کا جس قدر برا حال بیان کیا گیا ہے قوموں کی تاریخ میں یہ انہیں کا حال نہیں ہے بلکہ گراوٹ و پستی میں مبتلا ہر قوم کا وہی حال ہوتا ہے جو قرآن نے یہودیوں کا بیان کیا ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں ایک ایک کر کے وہ خرابیاں موجود ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ نادانی اور خوش فہمی کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ جس کی بنا پر ان کو دیکھنے اور سمجھنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ علماء و عوام کوئی بھی الگ نہیں ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا پارٹ ادا کر رہا ہے۔

(جاری ہے)